بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم　　نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم　　وَعَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

ماہنامہ　　انٹرنیٹ گزٹ

المنار

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ

اگست 2011ء　　جلد نمبر1 شمارہ نمبر 8

مجلس ادارت　　مدیر : مقصود الحق　　معاون مدیر : مبارک احمد صدیقی وسید نصیر احمد

E-mail : editoralmanar@hotmail.com　　Ph. No. +44 (0) 20 87809026

ارشاد باری تعالیٰ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ۝ (البقرہ:184)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلوں پر فرض کئے گئے تھے تا کہ تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

حدیثِ نبوی ﷺ

اَلصَّوۡمُ لِیۡ وَ اَنَا اَجۡزِیۡ بِہٖ۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم)

روزہ میرے لئے ہے اور اس کی جزا میں (دیتا) ہوں۔

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اصل میں یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اس کے حالات کیا بیان کرے۔ روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشا اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اُسے چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تا کہ تبتل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کی تسلی اور سیری کا باعث ہے اور جو لوگ محض خدا کیلئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 102 جدید ایڈیشن)

ارشاد

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

☆ رمضان دعاؤں، قربِ الٰہی پانے، عبادات اور حقوق العباد ادا کرنے کا مہینہ ہے۔

☆ خدا تعالیٰ کا عبد بننا اور دعاؤں کی قبولیت کا نظارہ دیکھنا ایک مجاہدہ کو چاہتا ہے اور رمضان کے روزے بھی ایک مجاہدہ ہیں جو اس کا ادراک حاصل کرتے ہوئے ایک مومن کو رکھنے چاہئیں۔

☆ دعاؤں کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کی بات کو سن کر اس پر لبیک کہے اور خدا تعالیٰ پر اپنے ایمان میں پختگی پیدا کرے اور اس میں ترقی کرے تبھی ہدایت پانے والا اور حقیقی مومن کا مقام بھی حاصل ہوگا۔

☆ پس دعاؤں کی قبولیت اور اپنی دنیا و عاقبت سنوارنے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کے احکامات پر عمل کیا جائے اور اس کے نمونے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوہ میں ہی ملیں گے۔ (الفضل 18 اگست 2010)

علمی نکات

پہلے ان میں سے ایک روپیہ اُٹھالیں

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کا ایک خاموش مباحثہ

لاہور میں آپ کی آمد کی خبر سن کر کچھ آریہ بھی آپ سے ملنے کیلئے آئے۔ جن میں ایک پلیڈر تھا۔ جس نے دعویٰ کیا تھا کہ مولوی صاحب کو میں چند منٹ میں تناسخ کے مسئلہ پر گفتگو کر کے ہرا دوں گا۔ جب وہ لوگ بیٹھ گئے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ مولوی صاحب! یہ پلیڈر صاحب آپ سے تناسخ کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی جیب سے دو روپے نکالے اور پلیڈر کے سامنے رکھ دئے اور کہا کہ جناب! پہلے ان دونوں روپوں میں سے ایک روپیہ اُٹھالیں۔ بعد ازاں میں آپ سے بات کروں گا۔ پلیڈر صاحب جو بحث کیلئے آئے تھے یہ دیکھ کر خاموش ہو کر بیٹھ گئے اور روپوں کو دیکھنا شروع کیا۔ اسی حالت خاموشی میں آدھ گھنٹہ کے قریب گزر گیا۔ حاضرین نے کہا کہ آپ دونوں صاحبان تو خاموشی کی زبان میں مباحثہ کر رہے ہیں۔ ہم پاس یونہی بیٹھے ہیں۔ اگر کچھ بولیں تو ہمیں بھی فائدہ ہو۔ پلیڈر نے کہا کہ میں تو مشکل میں پھنس گیا ہوں۔ اگر ان روپوں میں سے ایک اُٹھالوں تو یہ سوال کریں گے کہ تم نے دونوں میں سے یہ ایک کیوں اُٹھایا دوسرے کو کیوں نہ اٹھایا یا ایک کو دوسرے پر بلاوجہ ترجیح کیوں دی۔ اس اعتراض کے بعد تناسخ کی تائید میں میرا یہ اعتراض باطل ہو جائے گا کہ خدا نے ایک کو امیر اور ایک کو غریب کیوں بنایا۔ یہ مجھ سے پوچھیں گے کہ تم ایک روپیہ کو اُٹھا سکتے ہو اور دوسرے کو چھوڑ سکتے ہو تو پھر خدا کیوں ایک کو بڑا اور دوسرے کو چھوٹا نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر پلیڈر نے رخصت چاہی اور کہا وہ پھر کسی وقت آئیں گے۔ مگر یہ وعدہ نہ پورا ہونا تھا نہ ہوا۔ (حیات نور صفحہ 278)

رابطہ کیلئے

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ سے رابطہ کیلئے مندرجہ ذیل نمبرات نوٹ فرمالیں:

صدر : 020 8871 1699 — نائب صدر: 020 8395 9866

سیکرٹری : 020 8870 0275 — ایڈیٹر المنار: 020 8788 9026

المنار نیوز لائن

حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ انتقال فرما گئیں

انا للہ وانا الیہ راجعون

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پوتی، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی سب سے بڑی بیٹی اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی والدہ ماجدہ حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ مورخہ 29 جولائی بروز جمعۃ المبارک ربوہ میں بعمر 100 سال وفات پا گئیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مورخہ 30 جولائی کو مسجد مبارک ربوہ میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور بہشتی مقبرہ ربوہ کی اندرونی چار دیواری میں تدفین عمل میں آئی۔

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ غم وحزن کے ان لمحات میں اپنے پیارے امام سیدنا حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ، جملہ خاندان حضرت مسیح موعودؑ اور جملہ افراد جماعت احمدیہ عالمگیر سے دلی افسوس اور تعزیت کا اظہار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ کو رحمت اور مغفرت کی رِدا میں ڈھانپ لے۔ اپنی رضا کے عطر سے ممسوح فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین۔

بنتِ مرشد، اُختِ مرشد، مادرِ مرشد گئیں
وہ خدا وندِ خدا کے عشق میں مخمور تھیں
ناصرہ بیگم ہماری سیدہ کہیے جنہیں
داخلِ فردوس ہو کر اب ہیں وہ جنت نشیں
ہے یہاں مرشد مرا بادیدۂ نم اور حزیں
ضبطِ غم مشکل ہے اور اظہار کا یارا نہیں
کوئی غم سا غم ہے اُس کی کون غمخواری کرے
میرے دلبر کی مرا مولیٰ ہی دلداری کرے

(جمیل الرحمن)

کالج کی تاریخ کا ایک ورق

میں Cheap Victory کا قائل نہیں

مکرم پروفیسر عزیز احمد طاہر صاحب

مجھے کالج میں فٹ بال کی ٹیم کا نگران بھی مقرر کیا گیا تھا۔ دوپہر کا کھانا ہوسٹل سے منگوا کر کھاتا۔ ایک حاضری کا خرچ سوا پانچ آنے تھا۔ بی اے آنرز کی کلاس لینے کے بعد سہ پہر کو فٹ بال گراؤنڈ چلا جاتا۔ تقریباً ایک گھنٹہ انٹر اور ڈگری کی ٹیمیں پریکٹس کرتیں۔ اس کام میں کالج کے ڈی پی وقتاً فوقتاً میری معاونت کرتے۔ یہاں سے فراغت کے بعد مکرم پروفیسر سعید اللہ خاں صاحب (شعبہ شماریات) آجاتے اور ہم دونوں بوٹنگ کیلئے بائیسیکل پر دریا کا رخ کرتے۔ آپ بے حد مخلص، ملنسار اور شریف الطبع پروفیسر تھے۔ دریا پر ایک ڈیڑھ گھنٹہ پانی کے مخالف بہاؤ کی جانب بوٹنگ کرتے۔ کئی ماہ کی پریکٹس کے بعد مجھے بوٹنگ میں اچھی خاصی مہارت اور تجربہ حاصل ہوگیا۔ ایک بار زرعی یونیورسٹی فیصل آباد سے چار پانچ پروفیسروں کا وفد ربوہ آیا۔ مکرم پرنسپل صاحب نے مجھے ارشاد فرمایا کہ انہیں دریا کی سیر کرا لاؤں۔ دریا پر پہنچ کر ہم ایک چھوٹی کشتی میں سوار ہوئے اور میں نے کشتی کا رخ دریا کی طرف کیا۔ کچھ دور جا کر مجھے محسوس ہوا کہ کشتی میں پانی بھر رہا ہے۔ میں نے کشتی میں موجود ایک ڈبے سے پانی نکالنے کو کہا۔ لیکن کشتی میں پانی کی مقدار بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اچانک میں نے سامنے دیکھا تو کشتی کی ٹیل کے نیچے سے پانی بڑی مقدار میں کشتی میں داخل ہو رہا تھا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ کشتی کی ٹیل کے نیچے گانٹھ کے نکلنے سے سوراخ بن گیا ہے اور پروفیسر صاحب کے اس پر بیٹھنے سے کشتی کا وہ حصہ پانی کے اندر چلا گیا ہے اور پانی اسی سوراخ کے راستے سے کشتی میں داخل ہو رہا ہے۔ میں نے پروفیسر صاحب کو کشتی کے دوسری جانب بٹھا دیا۔ ٹیل اوپر اُٹھ گئی اور پانی آنا بند ہوگیا۔ کشتی میں سوار پروفیسروں کو اس بات کا علم نہیں ہونے دیا کہ کشتی کے پیندے میں سوراخ تھا۔

جلد ہی مجھے انٹر میڈیٹ کیلئے فٹ بال زونل ٹورنامنٹ کا شیڈول مل گیا۔ مجھے چونکہ ٹیم کیلئے بعض انتظامات کرنے تھے اس لئے ٹیم کو پروفیسر چوہدری نذیر احمد صاحب (شعبہ تاریخ) کے ہمراہ جھنگ بھیج دیا اور خود ربوہ سے ایک گھنٹہ بعد روانہ ہوا۔ گورنمنٹ کالج جھنگ کے ہوسٹل میں کھلاڑیوں کی رہائش اور خوراک کا مناسب انتظام ہوگیا۔ اگلے روز غالباً صبح دس بجے گورنمنٹ کالج سرگودھا کے ساتھ ہماری ٹیم کا پہلا میچ تھا۔ ہاف ٹائم تک کوئی ٹیم گول نہ کرسکی۔ اچانک ریفری میچ روک کر میری طرف آیا اور کہا کہ گورنمنٹ کالج سرگودھا کی ٹیم کے پاس کھلاڑیوں کی مصدقہ فہرست نہیں ہے۔ کیا آپ اس ٹیم کو کھیلنے کی اجازت دیں گے۔ میں نے پوچھا کہ اس سلسلے میں قواعد کیا ہیں۔ ریفری نے بتایا کہ قواعد کے مطابق تو وہ ٹیم نہیں کھیل سکتی۔ میں نے کہا کہ پھر مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ قواعد کے مطابق عمل کریں۔ چنانچہ ریفری نے گورنمنٹ کالج سرگودھا کی ٹیم کے خلاف واک اوور دے دیا۔ اس طرح یہ میچ ہم جیت گئے۔ گورنمنٹ کالج سرگودھا کی ٹیم اسی روز سرگودھا واپس چلی گئی۔ ان کے پرنسپل نے چیئرمین لاہور بورڈ سے رابطہ کیا تو ہمارے پرنسپل صاحب نے بتایا کہ میری ٹیم دوبارہ کھیلے گی۔ میں cheap victory کا قائل نہیں۔ آپ کا پیغام گورنمنٹ کالج جھنگ کے پرنسپل کی وساطت سے مجھے ملا۔ میں نے یہ پیغام کھلاڑیوں تک پہنچایا لیکن اگلے روز بھی گورنمنٹ کالج سرگودھا کی ٹیم نہ پہنچی اور ریفری کو دوبارہ واک اوور دینا پڑا۔ ہمارا اگلا میچ گورنمنٹ کالج جوہر آباد اور پھر اس کے بعد گورنمنٹ کالج جھنگ کے ساتھ تھا۔ یہ دونوں میچ ہم نے جیت لئے۔ آخری میچ گورنمنٹ کالج میانوالی کی ٹیم کے ساتھ تھا جو ہماری ٹیم نے بڑے مارجن چار یا پانچ گول سے جیتا۔ اس طرح ہمارا کالج زونل چیمپئن قرار پایا۔ ہماری ٹیم کے کھلاڑیوں کے نام یہ تھے: (1) مکرم منیر احمد باجوہ صاحب (کیپٹن) (2) مکرم عبدالحلیم ظفر صاحب (3) مکرم اظہر احمد صاحب (4) مکرم راجہ عبدالستار صاحب (5) مکرم نصیر احمد چیمہ صاحب (6) مکرم محمد صدیق صاحب (7) مکرم عبدالرشید صاحب (8) مکرم نعیم الدین وسیم صاحب (9) مکرم رفیق گوکھوال صاحب (10) مکرم منور احمد صاحب (11) مکرم نیاز مصلح صاحب (12) مکرم عبدالحمید عابد صاحب (13) مکرم عصمت اللہ رندھاوا صاحب (14) مکرم جمشید احمد صاحب (15) مکرم محمد زکریا ورک صاحب (16) مکرم محمد عاقل خان صاحب (گول کیپر)

(الفضل 28 جنوری 2011)

ہیں اولڈ مگر خُوب کہ ہیں اب بھی بُوائے
کالج مِرے ٹی آئی تِری یاد ستائے
چمکے ہیں وہ تاروں کی طرح علم کے طالب
جو لوگ تِری چھت کے تلے پڑھنے کو آئے
ہم پر تھا کبھی ناصرِ احمد کا جو سایا
اَطہر اُسی ٹھنڈک کی مہک آج بھی آئے

(محمد اسحاق اطہر جرمنی)

”ملتان میں بیٹھ کر دلی اور لکھنؤ کو متاثر کر ڈالا“

تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں منعقد ہونے والی اردو کانفرنس میں شامل ہونے کے بعد جب پروفیسر ڈاکٹر سجاد باقر رضوی صاحب واپس گئے تو ایم اے اردو کی کلاسز کو پڑھاتے ہوئے کہنے لگے کہ ربوہ کے کالج سے ایک بہت ہی باکمال شعر سن کر آیا ہوں۔ وہ شعر یہ ہے:

نکلا ہوں لفظ لفظ سے میں ڈوب ڈوب کر
یہ خط ہے تیرا یا کوئی دریا چڑھا ہوا

اور شاعر کا نام ہے رشید قیصرانی۔ مکرم رشید قیصرانی مرحوم تعلیم السلام کالج کے سابق طالب علم اور المنار کے ایڈیٹر ہوا کرتے تھے۔ آپ کے بارے میں مکرم اسفند یار منیب صاحب نے الفضل کی 10 اگست 2010 کی اشاعت میں جو مضمون تحریر کیا ہے اس کے چیدہ چیدہ حصے نذر قارئین ہیں۔ (مدیر)

محترم رشید قیصرانی صاحب اردو زبان کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ کا تعلق ڈیرہ غازی خان کے مشہور بلوچ قبیلے قیصرانی کے سردار گھرانے سے تھا۔ رشید قیصرانی صاحب نے شاعری کالج کے زمانہ سے شروع کی۔ آپ نہ صرف اردو غزل میں ملک کے صفِ اوّل کے شاعروں میں شمار ہوتے تھے بلکہ آپ کا نام ہمارے اردو ادب کا بھی ایک مقبول نام ہے۔ ڈاکٹر عابد حسین صاحب اردو کے ایک مشہور نقاد ہیں اور ہندوستان میں رہتے ہیں۔ 1955ء میں اردو ادب کی تاریخ لکھتے ہوئے انہوں نے رشید قیصرانی صاحب کو پاکستان کی غزل کی آواز قرار دیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر اختر اورینوی صاحب اور ڈاکٹر انور سدید صاحب نے تاریخ ادب اردو میں خاص طور پر ان کا نام مرقوم کیا اور ان کی خدمات ادب کو سراہا ہے۔ اسی طرح ملک کے دیگر نامور ادیبوں اور شاعروں نے ان کے فن اور شخصیت پر مضامین لکھے ہیں جن کو خالد اقبال یاسر اور جلیل حیدر لاشاری نے یکجا کر کے ”رشید قیصرانی فن اور شخصیت“ کے نام سے ایک کتاب کی صورت میں شائع کروایا ہے۔ ان کے پانچ شعری مجموعے شائع ہوئے ’فصیل لب‘، ’صدیوں کا سفر تھا‘، ’نین جزیرے‘، ’سجدے‘ اور ’کنارِ زمین تک‘۔ اس کے علاوہ ملک کی سیاسی، سماجی اور معاشی صورت حال پر ان کی کتاب ”یہ کیا ہے، یہ کیوں ہے“ کے نام سے بھی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے مورخہ 11 اپریل 1997ء کی اردو کلاس میں مکرم رشید قیصرانی صاحب کی ایک نظم پڑھے جانے پر ان کا اور ان کے خاندان کا درج ذیل تعارف بیان فرمایا:

”ہمارے ایک احمدی نوجوان اب تو نوجوانوں سے انصار میں جا چکے ہیں، رشید قیصرانی ڈیرہ غازی خان کے ہیں۔ قیصرانی خاندان مشہور ہے۔ اصل ان کی شہرت تو اس لئے ہے کہ قیصرانی خاندان کے جو بزرگ تھے انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو قبول کر لیا تھا۔ اور اس وقت بیعت کی جبکہ بہت مشکل تھا خاص طور پر ڈیرہ غازی خان جیسے علاقے میں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو دماغ اچھے دئے ہیں۔ جتنے بھی بلوچ ہیں وہاں کے بہت ذہین اور قابل لوگ ہیں۔ جب پڑھائی کریں تو پھر اچھا چمکتے ہیں۔ ان میں ایک قیصرانی خاندان ہے بہت معزز اپنے علاقہ میں۔ ان کے جو سردار تھے انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو مان لیا تھا اور تھے وہ بہت بہادر اور بہت مخلص۔ انگریزوں نے جو مختلف خاندانوں کو مقام دئے ہوئے تھے ان میں قیصرانی سرداروں کا مقام قادیان کے ہمارے خاندان سے آگے تھا۔ قادیان کا خاندان تو پہلے ہی لٹ پٹ چکا تھا اور اس کے ارد گرد کوئی آبادی ایسی نہ تھی جو اس خاندان کو سپورٹ دے سکے سارے۔ مگر قیصرانی قبیلہ تھا پورے کا پورا اور جب وائسرائے کا دربار لگتا تو ان کو آگے کرسی ملتی تھی اور جو خاندان ہمارا تھا، آباء و اجداد کا، اس کو نسبتاً پیچھے کرسی ملتی تھی۔ تو ان کے اخلاص اور بہادری کا پہلے واقعہ سناؤں آپ کو۔ غالباً پرنس آف ویلز آئے تھے یا کوئی اور شہزادے آئے تھے۔ بڑے اہتمام اور شان و شوکت سے ایک دربار بلایا گیا جس میں تمام پنجاب کے جو معزز خاندان تھے جو پنجاب چیفس کہلاتے تھے، ان سب کو دعوت دی گئی اور ان کی کرسیاں حکومت کے لحاظ سے ترتیب لگائی تھیں۔ جو سب سے معزز وہ آگے جو اس کے بعد وہ اس کے پیچھے۔ اس طرح کرسیوں کی قطاریں ان خاندانوں کے انگریزوں کی نظر میں مقام کو بھی ظاہر کرتی تھیں۔ بہت سلیقے سے دربار سجا ہوا تھا اور حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ بھی مدعو تھے اور ایسا اہم موقع تھا کہ لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ ضرور جائیں۔ آپ بھی چلے گئے تو قیصرانی سردار کی کرسی آگے تھی۔ ان انگریزوں نے مذہب کے لحاظ سے تو کوئی عزت نہیں دینی تھی، ان کو پرواہ بھی کوئی نہیں تھی، لیکن خاندانی مقام کے لحاظ سے انہوں نے ٹھیک کیا، اپنے مقام پر رکھا۔ رشید قیصرانی صاحب جن کی نظم سنائیں گی، پتہ نہیں ان کے نانا تھے یا دادا۔ (ان کے تایا حضرت امام بخش قیصرانی صاحب تھے۔ ناقل) ان کی نظر پڑ گئی کہ حضرت مصلح موعودؓ پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے فوراً اپنی کرسی موڑی اور بادشاہ کی طرف بیٹھ کر دی یا وائسرائے اور شہزادے کی طرف اور حضرت مصلح موعودؓ کی طرف منہ کر لیا۔ سرداروں کا یہ ایک دستور ہے کہ اکٹھے رہتے ہیں اور ان میں سے کوئی معزز آدمی حرکت کرے اور دوسرے نہ کریں تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پھٹ گئے ہیں تو جتنے

بھی ڈیرہ غازی خان کے معززین سردار تھے ان سب نے اپنی کرسیاں پھیر لیں اور حضرت مصلح موعودؓ کی طرف منہ اور پیٹھ دوسری طرف۔ وائسرائے گھبرا گیا۔ اس نے سمجھا کہ بغاوت ہونے والی ہے کوئی۔ اتنی عجیب حرکت۔ اس نے فوراً آدمی دوڑایا کہ کیا ہوا ہے۔ کوئی ناراضگی ہوئی ہے تو ہمیں بتائیں۔ اس نے کہا کہ ناراضگی تو کوئی نہیں مگر یہ میرا روحانی پیر ہے اور میرے نزدیک یہ زیادہ معزز ہے۔ میں اس کی طرف پیٹھ نہیں کر سکتا تمہاری طرف کر سکتا ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی کرسی وہاں سے اٹھوائی، اگلی صف میں ساتھ کی تو پھر وہ سارے سیدھے ہو گئے۔ یہ ہے قیصرانی قبیلے کی داستان جو ہمیشہ یاد رہے گی۔ ان کی بہادری اور ان کا اخلاص.....

یہ رشید قیصرانی ایئر فورس میں ہوا کرتے تھے۔ ہمارے کالج کے ربوہ کے پڑھے ہوئے تھے۔ آغاز سے ہی ان کو اردو ادب کا بہت ملکہ اور ذوق تھا اور ان کا کلام باقی سب سے ایک الگ حیثیت رکھتا تھا۔ بہت اعلیٰ درجہ کا کلام بچپن سے ہی کہتے تھے۔ اس لئے میں شروع سے ہی، ان کا واقف تو نہیں تھا (سوائے سرسری) مگر ان کا کلام مجھے بہت پسند تھا۔ اب انہوں نے مجھے اپنی کتاب بھی بھیجی ہے اور ایک اخبار میں بھی ان کا کلام چھپا ہوا دیکھا۔ ایک ان کی نظم ہے پاکستان کے اوپر۔ پاکستان ڈے کی خوشی میں جتنی بھی میں نے دیکھیں ہیں نظمیں اس مضمون پر میرے نزدیک رشید قیصرانی صاحب کی نظم سب سے اونچی ہے۔ اور بھی ہوں گی مگر میرے علم میں نہیں۔ مجھے تو ان کی سب سے زیادہ پسند ہے:

تری طلب، تری خوشبو، ترا نمو بولے
مرے وطن! مری رگ رگ میں صرف تو بولے

(روزنامہ الفضل 26 اگست 1998)

پھر حضورؒ نے مورخہ 24 مارچ 1999 کی اردو کلاس میں مکرم رشید قیصرانی صاحب اور ان کے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اب رشید قیصرانی صاحب کا ذکر سنئے۔ یہ کرنل حیات قیصرانی صاحب کے برادر نسبتی ہیں۔ کرنل حیات قیصرانی رشید قیصرانی کی بہن کے میاں تھے۔ رشید المنار کے ایڈیٹر بھی ہوا کرتے تھے۔ مباحثوں میں ٹی آئی کالج کی طرف سے نمائندگی کرتے تھے۔ بہت اچھی تقریر کیا کرتے تھے اور بہت اچھی نظم کہتے تھے۔ اور نظم پڑھا کرتے تھے۔ ان کے تین شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک کا نام ''فصیل لب''۔ نام بھی دیکھو کتنے پیارے پیارے رکھے ہوئے ہیں۔ یعنی ہونٹوں کی فصیل۔ اس سے اوپر بات نہ نکلے۔ اور ''صدیوں کا سفر تھا'' اور ''نین جزیرے''۔ بڑے رومانٹک نام رکھے ہوئے ہیں۔ اور ہیں بھی رومانٹک ہی۔ آج ان کی ایک نظم پڑھنی ہے اس لئے میں نے یہ سارا تعارف کروا دیا ہے۔ اب خدا کرے یہ سن رہے ہوں ورنہ پھر بار بار کیسٹ لگانی پڑتی ہے۔ ان کی ایک نظم یوم پاکستان پر یعنی 23 مارچ کے اوپر بہت اعلیٰ درجہ کی ہے۔''

(روزنامہ الفضل 22 نومبر 1999)

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے آپ کا اکثر کلام حمد الٰہی پر مشتمل ہے جو 'سجدے' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ جس والہانہ پن سے محترم رشید قیصرانی صاحب نے خالق کائنات سے عشق کا اظہار کیا۔ پروفیسر عرش صدیقی (مرحوم) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رشید قیصرانی کے دوہوں میں سرشاری اور بے خودی کی جو کیفیت ہے وہ محبوب کے سامنے اپنی ذات کو ختم کر دینے، والہانہ پن سے اسے چاہنے اور اس کی عنایت کیلئے دستِ سوال دراز رکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ جس خوشبو سے یہ شاعری معطر ہے وہ آجکل کمیاب ہے۔ عصر نے ان کی سائیکی میں ڈوب کر زمانوں کی اس جذباتی اکائی کی وسعت حاصل کر لی ہے۔ جو صرف صوفیاء کے ہاں ملتی ہے۔ محبوب کی ذات سے قرب باطنی کا جذبہ موجزن ہے، یار من گیا تو ساری کائنات بانہوں میں آ گئی۔ رشید قیصرانی کے ہاں لرزاں مہجوری کا درد صرف صوفیانہ سطح پر ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔''

(رشید قیصرانی فن اور شخصیت- مرتبہ خالد اقبال یاسر اور جلیل حیدر لاشاری صفحہ 141)

حمدیہ کلام کا نمونہ

ہے حرف و صوت کا تو رازق
میں بندہ بانجھ سخن سائیں
تیری ایک ادا کا مول نہیں
مرے فکر کا سارا دھن سائیں

★

اک میں کہ ترا ایک اشارہ مری ہستی
اک تو کہ ترا نام مرا آب بقا ہے
اک میں کہ فقط لمحۂ موجود کا باسی
اک تو کہ ازل تا بہ ابد چہرہ کشا ہے

نعتیہ کلام

محترم رشید قیصرانی صاحب نے جذبہ کی اسی ترنگ اور توانائی کے ساتھ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے اور اسی کیفیت کے ساتھ امام کامگار کی منقبت لکھی ہے اور راہ حق میں جدوجہد کرنے اور قربانیاں پیش کرنے والوں کا دفاع کیا ہے۔ آپ سرورِ کائناتؐ کے حضور ہدیہ نعت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہم نے بادل کبھی سایہ کبھی دریا لکھا
غم کے صحرا میں نجانے تجھے کیا کیا لکھا
تو تو سب کا ہے سبھی چاہنے والے تیرے
ہم نے لیکن تجھے اپنا فقط اپنا لکھا

پھر لکھتے ہیں:

کوئی شمس رو کوئی زہرہ وش کئی نام عرش مقام تھے، بڑے نام تھے
مگر ایک نام جہان اسم کا آخری جو امام تھا، ترا نام تھا

★

ترے کنج لب سے رواں دواں وہ جو ایک سیل حروف تھا
اسے لہر لہر سمیٹنا اسی کملی والےؐ کا کام تھا

امام کامگاری کی منقبت لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

وہی تو تھا کہ جو سلطان حرف و حکمت تھا
قلم کرشمہ تھا اور حرف معجزے اس کے
وہ عکس یار تھا اور آئینہ نما بھی تھا
نرالی شان، انوکھے تھے مرتبے اس کے

★★★

میرا مرشد، میرا ہادی، میرا آقا، میرا مرزا
میرا محسن، میرا ملجا، میرا ماوہ، میرا مرزا
رہبر تھا رہِ راست کا اور وقت کا نبّاض
مہدی میرا مرزا تھا، مسیحا میرا مرزا

خلافت احمدیہ

ایک راہگذار قدرت اولیٰ نے کھول دی
اس لامکاں سے شہرِ طلب کے مکین تک
اس راہگذر پہ قدرت ثانی کے نامہ بر
پہنچے ہیں پا برہنہ کنار زمین تک

خلیفۂ وقت سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں:

وہ جن کے دم سے ہیں وابستہ حوصلے دل کے
انہی کو سونپ دیے ہیں معاملے دل کے
دراز ہیں وہ رگِ جاں سے حاصلِ جاں تک
کبھی نہ ٹوٹ سکیں گے وہ سلسلے دل کے

★★★

مکہ مکرمہ میں دنیا کا بلند ترین اور منفرد مینار رمضان سے قبل مکمل ہو جائے گا

ریاض (جنگ نیوز) دنیا بھر سے رمضان المبارک میں عمرے کیلئے آنے والے لاکھوں عازمین اس بار شہر مقدس مکہ مکرمہ میں دنیا کے بلند ترین خوبصورت اور منفرد مینار کا نظارہ بھی کر سکیں گے۔ امید ہے یہ حسین مینار آنے والے رمضان سے تین ہفتے قبل مکمل ہو جائے گا۔ ڈھائی سو کے قریب کارکن تکمیل کے آخری تعمیراتی کام میں مصروف ہیں۔ مینار کے سب سے بلند حصے پر خوبصورت چاند آویزاں ہے۔ مکہ رائل کلاک ٹاور پر دنیا کا سب سے بڑا گھڑیال خوبصورت منظر دکھا رہا ہے۔ توقع ہے کہ تعمیر مکمل ہونے کے بعد یہ تاریخی منصوبہ کئی عالمی ریکارڈ توڑ دے گا۔ یہ سب سے بلند ہوٹل ہوگا۔ بلند ترین کلاک ٹاور سب سے بڑی گھڑی کے ساتھ سب کو اپنی طرف متوجہ کر رہا ہوگا۔ سب سے زیادہ رقبہ کی عمارت ہوگی اور دبئی کے برج خلیفہ کے بعد دنیا کی بلند ترین عمارت بھی بن جائے گی۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ پروجیکٹ کی تکمیل کے بعد یہ کلاک ٹاور گرین وچ مین ٹائم (جی ایم ٹی) یا یونیورسل ٹائم زون ریفرنس کی بالادستی کو بھی چیلنج کرے گا اور وقت کا نیا سٹینڈرڈ قائم کرے گا اور جی ایم ٹی کا شاندار نعم البدل ثابت ہوگا۔ تکمیل ہونے پر اذان بھی یہاں سے فضاؤں میں بلند ہوگی۔ گھڑیال گذشتہ رمضان سے آزمائشی طور پر کام کر رہا ہے۔ کلاک ٹاور 380 میٹر زمین سے بلند ہے اور اس کی مجموعی بلندی 601 میٹر ہے۔ مکہ معظّمہ کے چاروں جانب سے دلکش نظارہ کیا جا سکے گا۔ گھڑی کی تعمیر میں کاربن فائبر میٹریل استعمال کیا گیا ہے جو سٹیل سے تین گنا زیادہ مظبوط ہے۔ دو لفٹس لوگوں کو کلاک کے نیچے بالکونی تک لے جائیں گی۔ جہاں سے خانہ کعبہ کا پرشکوہ اور بارعب نظارہ کیا جا سکے گا۔ یہ کلاک لندن کے بگ بین سے چھ گنا بڑا ہے۔ کلاک کے اوپر اللہ کے اسم مبارک نے پوری عمارت کو اپنے جلوے میں لے رکھا ہے۔

(بحوالہ روزنامہ ''جنگ'' لندن 7 جولائی 2011)

ایک بے نفس اور مضبوط انسان
پروفیسر میاں عطاالرحمن صاحب مرحوم

تعلیم الاسلام کالج کے فزکس کے استاد محترم میاں عطاالرحمن صاحب 1905 کو بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے رکھا۔ 1944 کو قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کے دوبارہ اجراء کے وقت آپ شاہ پور کے گورنمنٹ ڈی مونٹ مورنسی کالج میں تعلیم دے رہے تھے۔ اس کالج کے پرنسپل نے آپ کو بہت سمجھانے اور روکنے کی کوشش کی مگر زندگی کو خدا کی خاطر وقف کرنے کا پختہ عزم لئے یہ دیوانہ عقل کو محو تماشائے لب بام چھوڑ کر قادیان میں تعلیم الاسلام کالج سے وابستہ ہوگیا۔ آپ ایک درویش صفت وجود تھے۔ مجھے یاد ہے کہ خدام الاحمدیہ کی عمر میں جب کبھی محلے میں رات کے پہرے کی ڈیوٹی لگا کرتی تو ان کی سوز وگداز میں ڈوبی ہوئی نماز تہجد ادا کرنے کی آواز ہماری سماعتوں کو ایک روحانی کیف عطا کیا کرتی تھی۔ آپ کے حالات زندگی پر مشتمل ایک مضمون کے چیدہ چیدہ حصے پیش خدمت ہیں جو آپ کے صاحبزادے مکرم لطف الرحمن محمود صاحب نے تحریر کیا ہے:

(مدیر)

بھیرہ کا گورنمنٹ ہائی سکول بیسوی صدی کے آغاز ہی سے اس علاقہ کی مشہور درسگاہ کا مقام رکھتا تھا۔ آپ نے میٹرک کا امتحان اسی سکول سے پاس کیا اور ضلع بھر میں اوّل رہے۔

ہمارے دادا حضرت میاں کرم الدین صاحب کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے رفیق ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ہماری دادی مکرمہ طالع بی بی صاحبہ اس وقت ان کا ساتھ نہ دے سکیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد انہوں نے ایک خواب دیکھا۔ جس کی تعبیر یہ تھی کہ امام الزمانؑ کے دامن سے وابستہ ہوئے بغیر اولادِ نرینہ کی نعمت نصیب نہیں ہوگی۔ اس خواب کے بعد سات بیٹیوں کی ماں کو بیعت کی توفیق ملی اور ہمارے ابا جان کی ولادت کی شکل میں یہ خواب پورا ہوا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے نومولود کو عطاء الرحمن نام عطا کرتے وقت دعاؤں سے نوازا جس نے اس بچے اور اس کی آئندہ نسل کا مقدر بدل دیا۔

مجھے معلوم نہیں ہوسکا کہ ابا جان نے لاہور کے کن کالجوں سے استفادہ کیا۔ ایک مرتبہ ایف سی کالج سے اولڈ بوائز کے نام کسی تقریب میں شرکت کیلئے خطوط بھجوائے گئے۔ ان کے نام ایک ایسا ہی خط میری نظر سے بھی گزرا۔ ایم ایس سی کرنے کے بعد سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی ٹی بھی کی۔ اس درسگاہ کے بارے میں ان دنوں انگریز ماہرین تعلیم کہا کرتے تھے "Best in the East of Suez" یعنی مصر سے جانب مشرق طریق تدریس کی تعلیم دینے والا بہترین ادارہ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے عہد مبارک میں 1944 کو قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کا دوبارہ آغاز ہوا۔ کالج میں سائنس کلاسز کے اجراء کے وقت ابا جان شاہ پور کے گورنمنٹ ڈی مانٹ مورنسی کالج (Government De Montmorency College) میں فزکس کے استاد تھے۔ یہی کالج بعد میں سرگودھا کا گورنمنٹ کالج کہلایا اور اب غالباً یونیورسٹی کے مراحل و مدارج سے گزر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت آپ کو زندگی وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ کالج کے پرنسپل ملک احمد حسین صاحب نے ازراہِ "ہمدردی" بہت سمجھایا اور روکنا چاہا۔ مگر اس شفیق انسان (جن سے بعد میں بھی آپ کی راہ و رسم رہی) کی عقل کو محو تماشائے لب بام چھوڑ کر آپ تعلیم الاسلام کالج قادیان سے وابستہ ہوگئے۔ وقف زندگی کے فیصلہ کے دنوں میں آپ کو خواب میں حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضورؑ نے فرمایا: "ضروریات زندگی کے حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی"۔ چنانچہ یہ بشارت حرف بحرف پوری ہوئی۔

ابا جان کو کالج کے تینوں ادوار، قادیان، لاہور اور ربوہ میں اخلاص، انہماک اور محبت سے خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ اس عاجز کے خطبۂ نکاح میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے کالج کے حوالے سے ابا جان کی طویل رفاقت کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

"مکرم پروفیسر میاں عطاء الرحمن صاحب واقف زندگی ہیں اور بڑے اخلاص اور محنت کے ساتھ ایک لمبے عرصے (قادیان کے زمانے) سے تعلیم الاسلام کالج میں جماعت کی خدمت کر رہے ہیں۔ بڑے بے نفس اور مضبوط انسان ہیں"

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے منصب خلافت پر متمکن ہوتے وقت ابا جان وائس پرنسپل تھے۔ کالج کے نظم و نسق کی ذمہ داری انہیں سونپی گئی۔ لیکن بعد میں خود ہی ان فرائض کی بہتر سرانجام دہی کے لئے حضور انور کی خدمت میں محترم قاضی محمد اسلم صاحب کے تقرر کی تجویز پیش کی جسے حضور نے منظور فرمالیا۔

1947 میں قادیان سے ہجرت کے وقت گھر سے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا ایک کوٹ جو دادا جان کے وقت سے بطور تبرک چلا آتا تھا، ساتھ لے آئے۔ فقط یہی ایک چیز تھی جو سینے سے چمٹا کر ساتھ لائے۔ یہ تبرک اب تک ہماری فیملی میں موجود ہے۔

قارئین خوب جانتے ہیں کہ پیشگوئی کے مطابق کس طرح بعض بادشاہ ان تبرکات سے برکت حاصل کر چکے ہیں۔ مگر میں تو گدایانِ بے نوا کے برکت پانے کی کہانی رقم کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان، نورِ یقین اور اخلاص عمل سے بہرہ ور کرے تاہم اس عظیم امانت سے نسبت کے اہل ثابت ہوسکیں۔

ابا جان اپنے مضمون میں قابلیت اور تدریسی مہارت کے ساتھ ساتھ ہمدردی خیر خواہی، بے نفسی اور شفقت کا پیکر تھے۔ ان کے شاگردوں پر ان کی شخصیت کے بعض پہلوؤں کا خاص اثر تھا۔ ان کے بعض شاگرد یہاں امریکہ میں مقیم ہیں۔ اعلیٰ اور اہم مناسب پر فائز رہے ہیں اور بعض اب بھی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ انہیں اب بھی محبت اور ارادت سے یاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عاجز بندے کو بہت سی خوبیوں سے نوازا۔ سادگی، درویشی،

نماز باجماعت کی پابندی، نیکی کو مخفی رکھنے کی خواہش، عبادت میں خشوع وخضوع، ذکر الٰہی سے زبان تر رکھنے والے بے ضرر ایسے کہ کسی کیڑے مکوڑے کو بھی دانستہ گزند نہ پہنچنے پائے۔ تہجد گزار، بہت دعائیں کرنے والے اور قبولیت دعا پر گہرا ذاتی یقین رکھنے والے وجود تھے۔ یہ حضرت اقدس کی مسیحائی کا اعجاز ہے کہ کوئی بھی احمدی گھرانہ اور خاندان قبولیت دعا اور روحانی تجارب و واقعات سے محروم نہیں رہا۔ ابا جان بھی اس کوچے کے آداب و رموز سے واقف تھے۔ طبیعت میں حجاب تھا۔ بزرگان اُمت کی خواب و رؤیا میں زیارت کا کوئی تجربہ بھی کبھار نصیحت و تربیت کی نیت سے بچوں کو سنا دیا کرتے تھے۔ دعاؤں سے دلی محبت و الفت تھی۔ یہی عادت ذریعہ تسکین تھی۔ تہجد کے وقت یا دوسرے اوقات میں جب وہ ان دعاؤں کو کسی قدر جہراً پڑھتے تو ان سے سن سن کر مجھے بھی حفظ ہوگئیں۔

جس شخص کی ساری عمر فزکس پڑھنے پڑھانے میں گزری ہو۔ بھلا اسے فراعنہ مصر کی تاریخ اور اُن کے دفینوں سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟ زیادہ سے زیادہ اہرام مصر کی تعمیر سے فزکس کا کچھ تعلق بنتا ہے کہ آج سے 4000 سال قبل جب دیوہیکل Cranes نہیں تھیں تو مزدوروں نے اتنے بھاری بھرکم پتھر کیسے ڈھوئے اور انہیں اپنے اپنے مقام پر رکھنے میں کیسے کامیاب ہوگئے؟ مگر انہیں ایسے مضامین اور عناوین کے مطالعہ کا بھی شوق تھا۔ جن سے فزکس کا کوئی تعلق واسطہ نہیں تھا۔ مجھ سے فراعین مصر کے بارے میں کتابوں کی فرمائش کی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں خود بھی Egyptology کی زلف دراز کا اسیر ہوگیا۔

ان کا حلقہ احباب زیادہ وسیع نہیں تھا مگر جو دوست تھے ان سے دلی محبت تھی۔ سلسلے کے ممتاز خادم اور داعی حضرت مولانا نذیر احمد علی صاحب مرحوم (بانی سیرالیون مشن) ان کے طالب علمی کے زمانے سے دوست تھے۔ برادرانہ اور اخلاص کا تعلق تھا۔ عظیم الشان دینی خدمات کی وجہ سے ان کے لئے خاص احترام کے جذبات تھے۔ ان کے حسن سلوک کے مداح و معترف تھے۔ مولانا سیرالیون کے دوسرے بڑے شہر بو (Bo) میں مدفون ہیں۔ اس شہر میں مجھے سالہا سال تک رہنے اور وہاں بار بار جانے کے مواقع ملتے رہے۔ ہر بار سیرالیون کے سفر کے وقت یاد دہانی کرواتے کہ ان کی طرف سے مولانا کے مزار پر حاضر ہو کر ضرور دُعا کروں۔ زندہ دوستوں کو سلام و پیغام بھجوانا عام معمول اور دستور زمانہ ہے۔ مگر فوت ہو جانے والے دوست کو اہتمام کے ساتھ ہدیہ دعوات بھجوانا محبت و وفا کا ایک نادر اور قابل قدر انداز ہے: اے خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

ابا جان فطرتاً خاموش طبع اور خلوت نشین وجود تھے بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان کی زندگی ارباب تصوف کی اس روش، کم خوردن، کم گفتن، کم خفتن کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ جیسے کہ عرض کر چکا ہوں ان کے بے تکلف دوستوں کا حلقہ محدود تھا۔ میں نے انہیں ہنستے ہنساتے تو دیکھا ہے مگر لطیفے سنتے سناتے کبھی نہیں دیکھا۔ بے تکلف احباب سے گفتگو کے دوران کبھی کبھار مناسب حال شعر بھی چسپاں کر دیتے تو احساس ہوتا کہ اس خاکستر میں بھی آتش سخن فہمی کی چنگاری موجود ہے۔

ریٹائرمنٹ کے کچھ عرصہ بعد انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کی وفات ہسپتال میں آپریشن کے بعد ہوئی ہے۔ وفات کے حوالے سے ہمارے اعصاب پر دمہ ہی سوار رہا اور ہم لوگ اس خواب کو بھول گئے۔ ایک مرتبہ شاہدرہ میں نماز کیلئے مسجد جاتے ہوئے گرنے سے چوٹ آئی۔ کافی عرصہ بعد تفصیلی معائنہ سے معلوم ہوا کہ Femur ہڈی کے اوپر والے حصہ میں فریکچر ہوا ہے اور آپریشن کی ضرورت ہوگی۔ ابا جان کے ایک شاگرد نے آپریشن کی حامی بھر لی اور اپنے تجربے کی بناء پر یقین دلایا کہ میاں صاحب آپ چل کر گھر جائیں گے۔ چنانچہ آپریشن ہوا مگر چند روز قبل ابا جان حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔

جس طرح ان کا دنیا میں آنا اظہار غیب سے وابستہ تھا عجیب اتفاق ہے کہ ان کا دار فانی سے جانا بھی اظہار غیب سے وابستہ ثابت ہوا۔ حق یہ ہے کہ ہر فرد کی حیات و ممات کا کامل علم صرف خالق حقیقی ہی کو ہے۔ اصل اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ انسان عبد ہونے کی حالت میں نفس مطمئنہ کی سکینت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو۔

سایہ فگن ہے سر پہ رمضان کا مہینہ

اُدھڑے ہیں جو بھی بخیئے، محنت سے اُن کو سینا
رحمت کے خواں اُٹھائے، آئے اُتر فرشتے
اور اِذنِ لوٹ بھی ہے، سو لوٹ لو خزینہ
ساون ہے رحمتوں کا، بھادوں ہے برکتوں کا
بوچھاڑ میں نہا لو، دھو لو دلوں کا کینہ
گو اور بھی مہینے ہر چند معتبر ہیں
ماہ صیام لیکن انمول ہے دفینہ
قرب خدا کو پانا اس ماہ میں سہل ہے
سادہ مثال سمجھو، یہ لفٹ، وہ ہیں زینہ
کنڈی لگا کے دیکھو، جھولی بچھا کے دیکھو
آنسو بہا کے دیکھو، ہر اشک ہے نگینہ
قرب خدا کو پانا کچھ کھیل تو نہیں ہے
جلتا ہے اس دیے میں بس خون اور پسینہ
اس رہگزر میں عرشی مرنا ہی زندگی ہے
آسان تو نہیں یہ جامِ وصل پینا

(ارشاد عرشی ملک)